اقبال اور وحدت الوجود

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

مقالہ پیش کرنے سے قبل پروفیسر موصوف نے حسب ذیل خیالات کا اظہار فرمایا:

حضرات! میں اپنی تقریر شروع کرنے سے پہلے ایک ایسی ضروری بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرنی چاہتا ہوں جسے میں مسلمانانِ پاکستان کی ملّی اور قومی زندگی کے لیے حیات اور موت کا مسئلہ سمجھتا ہوں۔ جس پر عمل کرنے سے یہ ملک بھی قائم رہ سکتا ہے اور مسلمان بھی دنیا میں دوبارہ سربلند ہو سکتے ہیں۔

۱۔ حضرات! مذہب بالعموم اور دینِ اسلام بالخصوص اپنی ظاہری حیثیت کے لحاظ سے تو احکامِ شرع پر عمل کرنے کا نام ہے، لیکن اپنی باطنی حیثیت یا اپنی ماہیت کے اعتبار سے وہ زندہ خدا کے ساتھ ایک زندہ رابطہ پیدا کرنے کا نام ہے ـــــ زندہ خدا سے میری مراد وہ خدا ہے جو ہماری پکار کا جواب دے اور زندہ رابطہ سے میری مراد یہ ہے کہ اس رابطے کی بدولت ہماری باطنی زندگی میں ایک عمیق انقلاب پیدا ہو جائے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں نوید جاوید عطا کی ہے کہ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔ اسی لیے اقبال نے یہ خوشخبری سنائی ہے ؎

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر | کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتے ہیں حجاب آخر!

۲۔ تو یہ رابطہ پیدا کیسے ہو؟ اس کا جواب اقبال سے سنیئے ؎

مقامِ شوق جز صدق و یقیں نیست | یقیں جز صحبتِ رُوح الامیں نیست
گر از صدق و یقیں داری نصیبے | قدم بیباک نہ کس در کمیں نیست

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

یہاں صحبتِ رُوح الامین سے قرآن مراد ہے، یعنی تدبّر فی القرآن۔

۳ ـــــ معلوم ہوا کہ اگر ہم اللہ سے رابطہ پیدا کرنا چاہتے ہیں، جو ہماری کوشش سے Living contact یعنی رابطۂ فعال بن سکتا ہے تو ہمیں قرآن کو اپنی زندگی کا محور بنانا ہو گا اور اس کے ساتھ Living contact قائم کرنا ہو گا۔ میں افسوس سے کہتا ہوں کہ میں نے بچپن سے لے کر ۱۹۷۰ء تک ہند میں کوئی تحریک نہیں دیکھی جو قرآن سے رابطہ کے لیے چلائی گئی ہو۔

۱۹۲۲ء میں میرے استاد مولانا آزاد سبحانی مرحوم نے پریڈ گراؤنڈ کانپور میں ایک تاریخی تقریر کی تھی، اس میں انہوں نے کہا تھا شدھی کی تحریک کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو قرآن سے Living contact پیدا کرنا ہے اور علماء قرآن کو درسِ نظامی میں داخل کریں۔ تاریخ گواہ ہے کہ علماء نے ابھی تک پورے قرآن کو داخلِ نصاب نہیں کیا، بطورِ تبرک دورہ حدیث کے بعد ڈھائی پارے بیضاوی کی مدد سے بعجلت تمام پڑھا دیئے جاتے ہیں۔ یعنی قرآن عوام تو کیا خواص کی زندگی میں بھی داخل نہیں ہے ؎

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی شکوہ سنجِ گردشِ دوراں شدی

مَیں نے اپنی زندگی میں بہت سے عاشقِ رسولؐ دیکھے، بہت سے عاشقِ حدیث، بہت سے عاشقِ فقہ اور بہت سے عاشقِ ادب عربی دیکھے، مگر ۱۹۱۲ء سے ۱۹۷۲ء تک کسی عاشقِ قرآن کو نہیں دیکھا تھا۔ الحمدللہ کہ زندگی کے آخری دور میں ایک عاشقِ قرآن کو دیکھ لیا۔ میری مراد ڈاکٹر اسرار احمد سلّمہٗ ربہٗ سے ہے۔ حکیم اسپنوزا کو زندگی میں تو یورپ نے کافر اور ملحد قرار دیا مگر مرنے کے بعد یورپ نے اسے God-Intoxicated کا لقب دیا۔ میں نے اسپنوزا کو نہیں دیکھا مگر اسرار احمد کو دیکھا ہے، وہ میری رائے میں Qur`an Intoxicated مسلمان ہیں، جس کا ثبوت یہ انجمن خدام القرآن ہے۔

مَیں ڈاکٹر صاحب کی اس بات کو اپنی دلی تائید کے ساتھ اس وقت آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ حضرات انجمن کے نصب العین اور طریقِ کار سے مطمئن ہیں تو انجمن کے ساتھ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

تعاون کیجئے، تَعَاوَنُوا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی۔ اور اگر اختلاف ہے تو آپ خود ایک انجمن بنا لیجئے اور لوگوں کو قرآن کی طرف بلائیے۔ ڈاکٹر صاحب کا مقصدِ حیات دعوت الی القرآن ہے نہ کہ حصولِ دولت و شہرت و وجاہت و تمکنت فی الارض تو وہ تاجر نہیں ہیں، پروانۂ قرآن ہیں، اس لیے نہ وہ کسی کے رقیب ہیں۔ رقابت تو تاجروں میں ہوتی ہے، پروانوں میں نہ ہوئی ہے، نہ ہو سکتی ہے ؎

محبت چوں تمام افتد رقابت از میاں خیزد!

ڈاکٹر صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ساری قوم قرآن پر عاشق ہو جائے۔ قرآن نقشِ حق ہے، دیدارِ حق ہے اور وہ اس نقش اور دیدارِ حق کو دیدارِ عام بنانا چاہتے ہیں۔ اس کی صورت اقبال نے یہ بتائی ہے ؎

نقشِ حق اول بجاں انداختن ... بعد ازاں در جہاں انداختن
نقشِ حق چوں در جہاں گردد تمام ... می شود دیدارِ حق دیدارِ عام

لہٰذا میں سامعین کو عاجزانہ طور پر مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ قرآن کو اپنی زندگی میں داخل کریں۔ میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ ان کی زندگی میں وہی انقلاب پیدا ہو جائے گا جو عربوں کی زندگی میں پیدا ہو گیا تھا۔ ہم بدل گئے ہیں، اگر قرآن تو وہی ہے۔

اللہ بلا شبہ جہاں تھا تو وہیں ـــــ ہے!
مسلم سے یہ پوچھو وہ وہیں ہے کہ جہاں تھا؟

صد جہاں باقی ست در قرآں ہنوز ... اندر آیاتش یکے خود را بسوز

پس ضرورت تدبر فی القرآن کی ہے اور انجمن خدام القرآن کا واحد مقصد اسی حقیقتِ کبریٰ کو مسلمانوں کے دلوں میں جاگزیں کرنا ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا

اب میں اپنا مقالہ پیش کرتا ہوں۔

اس مقالے کا مقصد اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا ہے جو اقبال کے اکثر عقیدت مندوں کے دماغ میں جاگزیں ہو گئی ہے یعنی یہ کہ اقبال وحدت الوجود کے خلاف تھے۔ یہ غلط فہمی بلا وجہ نہیں ہے، اس کے دو سبب ہیں:

© rasailojaraid.com

پہلا سبب یہ ہے کہ یہ حضرات وحدت الوجود اور حلول میں فرق نہیں کر سکتے اس لیے وہ وحدت الوجود (Unity of Existence or Monism) کو حلول (Pantheism) کا مترادف سمجھ لیتے ہیں یعنی وہ وحدت الوجود کا ترجمہ Pantheism کرتے ہیں یا Pantheism کو وحدت الوجود کا مترادف سمجھتے ہیں اور جب وہ کسی انگریزی لغت میں Pantheism کا مفہوم تلاش کرتے ہیں تو وہاں انہیں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ Pantheism حلول کو کہتے ہیں۔ اب حلول کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس کائنات میں حل ہو گیا، اس لیے اس کا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا۔ چونکہ یہ عقیدہ سراسر غیر اسلامی اور خلافِ قرآن ہے، اس لیے یہ لوگ ایمانداری سے وحدت الوجود کو خلافِ اسلام قرار دے کر اس سے بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں اور اقبال کو اس کا مخالف قرار دے دیتے ہیں۔ اس ساری غلط فہمی کا منبع صرف یہ ہے کہ یہ لوگ وحدت الوجود کو Pantheism کا مترادف سمجھ لیتے ہیں، حالانکہ دونوں میں وہی فرق ہے جو زمین اور آسمان میں ہے۔ All in God and God in all میں ساری کائنات خدا بن جاتی ہے، مگر خدا کا ذاتی وجود باقی نہیں رہتا۔ اس کی ساری ہستی، کائنات میں حل ہو جاتی ہے، جس طرح پانی کے گلاس میں شکر ڈال دو، سارا پانی شکر بن جائے گا مگر شکر کا کوئی ذاتی یا مستقل وجود باقی نہیں رہے گا۔

اس کے مقابلے میں وحدت الوجود یعنی Unity of Existence یا Monism میں کائنات کا وجود غیر حقیقی یا ظلّی یا وہمی ہے، صرف خدا کا وجود حقیقی اور اصلی ہے اور جسے ہم کائنات کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے، مگر جلوۂ ذاتِ باری ہے۔

ضمناً چند مصطلحات مع مترادفات ذیل میں لکھے دیتا ہوں، جن میں نازک فرق ہے اور عموماً لکھے پڑھے آدمی بھی اس فرق کو نہیں سمجھ سکتے:

۱۔ Pantheism اس کا مترادف "حلول" ہے۔

۲۔ Incorporation اس کا مترادف "تجسم یا تجسّد" ہے۔

۳۔ Fusion اس کا مترادف "امتزاج" ہے۔

۴۔ Union اس کا مترادف "اتحاد" ہے۔

© rasailojaraid.com

۵۔ Incarnation اس کا مترادف انضمام ہے۔

۶۔ Unity of Existence اس کا مترادف وحدت الوجود ہے۔

۷۔ Unity of Appearance اس کا مترادف وحدت الشہود ہے۔

خلاصۂ کلام اینکہ Pantheism یعنی حلول کا عقیدہ تو بلاشبہ سراسر غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہے۔ غلط فہمی کا دوسرا سبب یہ ہے کہ 'اسرارِ خودی' کے دیباچے میں جو ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا تھا اور جسے اقبال نے دوسرے ایڈیشن میں خود ہی حذف کر دیا تھا، انہوں نے شیخ اکبرؒ سے اختلاف کیا اور ایک خط میں یہاں تک لکھ دیا کہ "جہاں تک میں سمجھا ہوں (شیخ اکبر) ابن عربی کی فصوص الحکم میں الحاد اور زندقہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے"۔

جو لوگ جذبات خود وحدت الوجود کے خلاف ہیں اُن کے لیے اقبال کا یہ جملہ قولِ فیصل بھی ہے اور سند بھی۔ لیکن اس کا کیا علاج کہ ۱۹۲۲ء سے تادمِ وفات وہی اقبال دوبارہ وحدت الوجود کی تعلیم دیتے رہے۔ لہٰذا ہر غیر جانب دار مبصّر اسی نتیجے پر پہنچے گا کہ شروع سے ۱۹۱۳ء تک اقبال نے وحدت الوجود کی تعلیم دی، ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۷ء تک انہوں نے اس کی مخالفت کی لیکن ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ء تک تادمِ وفات انہوں نے دوبارہ وحدت الوجود کی تعلیم دی۔

اگر کسی کو یہ شبہ لاحق ہو کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اقبال نے اپنی رائے تبدیل کر دی تو اس کا جواب میں وہی دوں گا جو خود اقبال نے مجھے دیا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب ۱۹۳۵ء میں اقبال نے مرزا غلام احمد اور ان کے مسلک کے خلاف "اسلام اور احمدیت" کے عنوان سے ایک زبردست مخالفانہ مضمون لکھا تو احمدیوں نے اس کے جواب میں اقبال پر یہ اعتراض کیا کہ اقبال تو برسوں احمدیت کے مدّاح رہ چکے ہیں۔ جب احمدیوں کا یہ مضمون اقبال نے پڑھوا کر سنا (کیونکہ وہ خود مطالعہ نہیں کر سکتے تھے) تو مجھے جواب لکھنے کی ہدایت کی اور اپنی مدافعت میں جو نکات لکھائے ان میں ایک نکتہ یہ لکھایا کہ بیشک شروع میں مجھے اس تحریک سے حسنِ ظن تھا لیکن اب اس کا مسلمانوں

© rasailojaraid.com

کے لیے مضر ہونا مجھ پر واضح ہو گیا ہے اس لیے اب میں اس کی مخالفت کر رہا ہوں۔ اب رہا خیالات میں تبدیلی پر اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ Only stones do not change. یہ فقرہ اقبال کا ہے جو مجھے اب تک حفظ یاد ہے۔ صرف پتھر تبدیل نہیں ہوا کرتا، انسان کے خیالات بدلتے رہتے ہیں۔

اسی طرح اقبال نے چند سال وحدت الوجود کی مخالفت کی لیکن پھر اس مخالفت کو ترک کر دیا۔

اقبال نے ۱۹۰۲ء میں عبدالکریم الجیلی پر جو مضمون لکھا تھا اس میں انہوں نے یہ فقرہ بھی لکھا تھا:

> It will appear at once how greatly the author has emphasized the doctrine of the logos – a doctrine which has always found favour with almost all the profound thinkers of Islam, and in recent times by Mirza Ghulam Ahmad Qadiani, probably the profoundest theologian among modern Indian Mohammadans.
> (Thoughts and Reflections of Iqbal)

© rasailojaraid.com

یہاں اقبال نے اسی مرزا کو ہندی مسلمانوں میں سب سے بڑا عالم الٰہیاتِ اسلامی قرار دیا ہے جسے ۱۹۳۵ء میں انہوں نے دائرۂ اسلام سے خارج کر دیا۔ اسی طرح جس شیخ اکبر (امام ابن عربیؒ) کو انہوں نے ۱۹۱۶ء میں ملحد اور زندیق قرار دیا تھا اُسی "ملحد اور زندیق" کا ذکر انہوں نے ۱۹۳۳ء میں بایں الفاظ کیا ہے:

> But what if the position, as understood by him [i.e., Kant] is reversed? The great Muslim Sufi philosopher Muhyuddin Ibn al-'Arabi of Spain, has made the absolute observation that God is a percept; the world is a concept.
> (The Reconstruction of Religious Thought in Islam, published by O.U.P., 1934, pp. 172, 173)

اس جگہ سامعین و قارئین کی آگاہی کے لیے یہ بتا دوں کہ شیخ اکبرؒ کا لقب "ابن العربی" نہیں ہے (یہ ایک اور بزرگ ہیں جنہوں نے تفسیر احکام القرآن چار جلدوں میں لکھی ہے، ان کا پورا نام ابو بکر محمد ابن عبداللہ المعروف بابن العربی ہے)، بلکہ ابنِ عربی ہے۔

اسی طرح ۱۹۱۶ء میں انہوں نے شیخ اکبر کی فصوص الحکم کو الحاد اور زندقہ سے تعبیر کیا تھا، لیکن ۱۹۰۷ء میں انہوں نے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے Development of Metaphysics in

© rasailojaraid.com

Persia میں انہی شیخ اکبر کا ذکر بایں الفاظ کیا تھا :

The student of Islamic mysticism who is anxious to see an all-embracing exposition of the principle of unity must look up the heavy volumes of the Andulusian Ibn-al-'arabi, whose profound teaching stands in strange contrast with the dry-as-dust Islam of his countrymen.

واضح ہو کہ اس جملے میں Principle of Unity سے "وحدت الوجود" مراد ہے اور بقول اقبال "شیخ اکبر اسی وحدت الوجود کے انتھک مفسر تھے" (دیباچہ اسرار خودی ۱۹۱۵ء)

اگرچہ میں نے اپنا مدعا بھی واضح کر دیا ہے اور دعویٰ بھی ثابت کر دیا ہے کہ

۱ ۱۸۹۸ء سے ۱۹۱۲ء تک انہوں نے وحدت الوجود کی تعلیم دی

۲ ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک انہوں نے اس نظریے کی مخالفت کی۔

۳ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ء تک (تادم وفات) انہوں نے دوبارہ وحدت الوجود کی تعلیم دی۔

لیکن میں اپنی تائید کے لیے دو شواہد مزید پیش کرنا چاہتا ہوں :

شاہد اول :- جناب عباد اللہ فاروقی اپنے مقالے (اقبال ریویو بابت جنوری ۱۹۷۴ء ص ۵۹) میں لکھتے ہیں :

"اقبال نے ۱۹۱۰ء کے بعد نظریۂ وحدت الوجود کی بھرپور مخالفت شروع کر دی تھی، لیکن ۱۹۲۲ء کے بعد وہ پھر اسی نظریے کے حامی نظر آتے ہیں، لیکن ان کا یہ اظہار فلسفے کی حدود کے اندر رہا۔ مذہبی اعتبار سے وہ توحید ہی کے علمبردار رہے۔ فلسفے کی حدود کے اندر ان کے اور شیخ اکبرؒ کے وجودی تصورات میں خاصی ہم آہنگی اور مماثلت نظر آتی ہے مثلاً شیخ اکبر کے نزدیک وجود، فرد واحد ہی میں منحصر ہے، یعنی اس زمین سے آسمان تک بجز ذاتِ حق اور کوئی شے موجود نہیں ہے یعنی کائنات معدوم ہے، لیکن اللہ کی تجلیٔ صفات پڑنے سے موجود ہو گئی ہے۔ ذاتِ باری کی جملہ صفات، عین ذات ہیں۔ اگر ذات و صفات میں عینیت نہ ہوتی تو دوئی لازم آجاتی جو محال ہے۔

© rasailojaraid.com

واضح ہو کہ ابن عربی کائنات کو تجلی صفات یا ظہورِ ذات کہتے ہیں، ان کے نزدیک یہ کائنات اپنے ظہور میں عین ذاتِ باری ہے اور علامہ بھی انہی نظریات کے علمبردار اور ترجمان ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی؟

۱۹۱۶ء میں جیسا کہ گزر چکا ہے علامہ نے واضح طور پر بتایا تھا کہ مسئلہ وحدت الوجود ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ۱۹۳۰ء میں وہ اپنے خطبۂ صدارت الٰہ آباد میں اس نظریۂ وحدت الوجود کو مذہبی نقطۂ نظر سے بھی حق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "مذہبِ اسلام کی رُو سے خدا، کائنات، کلیسا، ریاست، مادہ اور رُوح ایک ہی کُل کے مختلف اجزا ہیں"۔

فاروقی صاحب کی یہ حیرت بالکل بجا ہے کیونکہ ۱۹۳۰ء میں وہی شخص اس وحدت الوجود کی تلقین کر رہا ہے جو ۱۹۱۶ء میں اُسے الحاد اور زندقہ کا مترادف قرار دے چکا تھا۔ مگر اقبال کا یہ جملہ اس حیرت کو زائل کر سکتا ہے کہ Only stones do not change مجھے اس سے بحث نہیں کہ اقبال نے اپنے سابقہ عقیدے سے کیوں رجوع کیا، اگر اقبال اس وقت زندہ ہوتے تو میں خود اُن سے دریافت کرتا، وہی اس کا صحیح جواب دے سکتے تھے۔ مجھے قیاس آرائی کی کوئی حاجت نہیں، میرے لیے یہ بات کافی ہے کہ انہوں نے چند سال کے بعد وحدت الوجود کی مخالفت ترک کر دی تھی۔ اور تادمِ وفات وہ وحدت الوجود کی تعلیم دیتے رہے۔

شاہدِ ثانی: پروفیسر علی عباس جلالپوری نے اپنی تصنیف "اقبال کا علم کلام" میں "اقبال اور نظریۂ وحدت الوجود" پر ایک مستقل باب باندھا ہے جو اس کتاب کے ص ۸۹ سے لے کر ص ۱۱۲ تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ پورا باب بڑی تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے اور بغور مطالعے کے لائق ہے۔ میں یہ پورا باب لفظ بلفظ تو نقل نہیں کر سکتا، چند اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔

© rasailojaraid.com

"اپنی شاعری کے ابتدائی دور میں بقول پروفیسر میاں محمد شریف صاحب اقبال صرف نوفلاطونی ہی نہ تھے بلکہ وحدت الوجود پر کامل یقین رکھتے تھے" صہ ۸۴

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے، انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے
میں حسن ہوں کہ عشقِ سراپا گداز ہوں کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں
ہاں آشنائے لب نہ ہو راز کہن کہیں پھر چھڑ نہ جائے قصہ دار و رسن کہیں

ان اشعار میں اقبال وحدتِ وجود کی پرجوش ترجمانی کرتے ہیں۔

"جب سوامی رام تیرتھ نے ۱۹۰۶ء میں دریائے گنگا میں ڈوب کر خودکشی کر لی تو اقبال نے انہی کے نام سے ایک نظم لکھی تھی جس میں فنافی اللہ کا وجودا وجدانی تصور پیش کیا تھا"

"اقبال اس دور میں وحدتِ وجود کے قائل تھے اس لیے ابنِ عربیؒ اور رومی کی طرح، خدمتِ خلق اور ہمدردیٔ انسانی کو حسنِ اخلاق کا جوہر سمجھتے تھے۔ "نئے شوالے" کا ایک شعر جسے اقبال نے بعد میں حذف کر دیا تھا، قابلِ غور ہے:

اگنی ہے وہ جو نرگن، کہتے ہیں پیت جس کو
دھرموں کے یہ بکھیڑے اس آگ میں جلا دیں

یہ نظم انہوں نے غالباً ۱۹۰۴-۵ء میں کہی تھی" (نیا شوالہ)

"بہر کیف یورپ کے دوران قیام میں بھی ایک مدت تک اقبال وحدت الوجود کے قائل رہے۔ اُن کے استاد میک ٹیگرٹ نے اقبال کو لکھا تھا کہ ایامِ طالب علمی میں تو آپ وحدتِ وجود کے قائل تھے لیکن اب مخالفت کرنے لگے ہیں"

"مقامِ حیرت ہے کہ اقبال نے تمام وجودی صوفیہ اور فلاسفہ کی سخت مخالفت کی لیکن رومی کو جو وحدتِ وجود کے ترجمان سمجھے جاتے ہیں، نہ صرف مستثنیٰ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

قرار دیا بلکہ ان کو اپنا پیر و مرشد بھی تسلیم کر لیا۔"

"مولانا روم، مولانا صدر الدین قونوی (شارحِ شیخ اکبر) کے واسطے سے شیخ اکبر ابن عربی سے مستفید و متاثر ہوئے تھے اور تمام شارحین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ رومیؒ وحدتِ وجود کے نہ صرف قائل تھے بلکہ اس کے پُرجوش مبلغ بھی تھے۔ فلاطینوس اور ابن عربی کی طرح ان کی الٰہیات کا بنیادی تصور یہ ہے کہ ارواحِ انسان ماخذِ حقیقی سے صادر ہوئی ہیں اور اُسی کی طرف بازگشت کے لیے جدوجہد کرنا سعیٔ انسانی کا مقصود ہے۔"

"سوال پیدا ہو گا کہ اقبال نے ابن عربی کی تعلیمات کو الحاد و زندقہ قرار دینے کے بعد ان کے ایک مبلغ (رومی) کو اپنا پیر و مرشد کیوں منتخب کیا؟ اقبال کے بعض شارحین نے بھی اس دقت کو محسوس کیا ہے اور دو ایک نے حتی المقدور اس اشکال کو رفع کرنے کی کوشش بھی کی ہے لیکن اس کوشش میں وہ مولانا روم کی وجودی الٰہیات سے مکمل طور پر قطع نظر کر لیتے ہیں۔" ص۹۳

"جیسا کہ ہم گزشتہ سطور میں ذکر کر چکے ہیں، اقبال اپنی شاعری کے پہلے دور میں، جو قیامِ یورپ کے اوائل تک محیط ہے، وحدتِ وجود کے شارح اور نوفلاطونی صوفی تھے۔ جب انہوں نے احیاء و تجدیدِ ملت کا بیڑا اٹھایا تو وہ ہمہ اوست کی مخالفت کرنے لگے۔ عام طور سے خیال کیا جاتا ہے کہ اقبال مرتے دم تک وحدتِ وجود اور عقیدۂ سریان کے مخالف رہے لیکن یہ سراسر عدمِ تدبر کا نتیجہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبال اواخرِ عمر میں وحدتِ وجود کی طرف دوبارہ رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے تھے، چنانچہ خطبات (The Reconstruction) میں انہوں نے واشگاف انداز میں سریان کی حمایت کی ہے اس لیے جہاں تک سریان کا تعلق ہے اقبال اور شیخ اکبرؒ کی الٰہیات میں کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔" (ص۱۰۱)

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"خطبات سے اس امر کا اور ثبوت مل سکتا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں اقبال دوبارہ وحدتِ وجود کی طرف مائل ہو گئے تھے اور حلاّج اور ابن عربی کی تعلیمات کو بنظرِ استحسان دیکھنے لگے تھے۔ ایک زمانے میں انہوں نے ابن عربی کی تعلیمات کو کفر اور زندقہ قرار دیا تھا لیکن جب خطباتِ مدراس لکھتے وقت آئن سٹائن کے نظریۂ اضافیت کے اسلامی ماخذ کی تلاش جاری تھی تو سیّد سلیمان ندوی کو لکھا گیا یہ خیال (کہ دھر اللہ ہی ہے) محی الدین ابن عربیؒ کے نقطۂ خیال سے صحیح ہے۔" (ص ۱۰۲)

"خطبات میں فرماتے ہیں "چنانچہ اسلامی اندلس کے مشہور صوفی فلسفی ابن عربی کا یہ قول کیا خوب ہے کہ وجودِ مدرک تو خدا ہے کائنات تو معنی و مفہوم ہے ۔ ۔ ۔"

اس طور پر انہوں نے کھلے الفاظ میں ابن عربی کے نظریۂ وحدتِ وجود کو درست تسلیم کر لیا ہے۔ عراقی، شیخ اکبر کا شاگرد اور مشہور وجودی شاعر تھا اور اقبال نے خطبات میں متعدد مقامات پر عراقی سے استشہاد کیا ہے۔ اسی طرح شیخ مقبول اور بایزید بسطامی سے صوفیۂ وجودیہ کی تعلیمات سے استدلال کیا ہے ۔ ۔ ۔ اقبال نے بایزید بسطامی کے قول سے وحدت وجود کا اثبات کیا ہے۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے جاوید نامے میں حلاج کا 'ھُوَ ھُوَ' اور ابن عربی کے حقیقت الحقائق کا تصوّر 'عبدہٗ' کے نام سے پیش کیا۔ ص ۱۰۳

"اقبال نے ابن عربی کا حقیقتِ محمدیہ کا یہ تصوّر من و عن عبدہٗ کے نام سے جاوید نامے میں پیش کیا ہے۔

عبدہٗ چند و چگونِ کائنات — عبدہٗ رازِ درونِ کائنات

کس ز سِرّ عبدہٗ آگاہ نیست — عبدہٗ جز سِرّ الا اللہ نیست

لا الہٰ تیغ و دمِ او، عبدہٗ — فاش تر خواہی بگو ہو، عبدہٗ

مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت — تا نہ بینی از مقامِ مارمیت"

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"اقبال نے لاگاس (Logas) کا نظریہ ابن عربی اور منصور حلاج سے اخذ کرنے پر اکتفا نہیں کیا، اب وہ کھلم کھلا منصور سے استفادے کی دعوت دینے لگے اور یہ وہی منصور ہے جسے وہ کسی زمانے میں سزاوار قتل یقین کرتے تھے، چنانچہ ارمغان حجاز میں لکھتے ہیں:

بجامِ نو کہن مے از سبو ریز فروغِ خویش را بر کاخ و کو ریز
اگر خواہی ثمر از شاخِ منصور بدل لا غالب الا اللہ فرو ریز"

"کسی زمانے میں اقبال صوفیہ کی الہٰیات کو الحاد سمجھتے تھے، چنانچہ ایک خط میں نیاز الدین خاں کو لکھتے ہیں: "تصوف کے ادبیات میں فلسفے کا حصہ محض بیکار ہے اور بعض صورتوں میں تعلیم قرآن کے مخالف ہے" (ص۱۱) لیکن جب الہٰیاتِ اسلامیہ کی تشکیل جدید کے لئے قلم اٹھایا تو وہ صوفیہ وجودیہ کی الہٰیات سے استفادے پر مجبور ہو گئے۔ اور ابن عربی، عراقی، منصور حلاج، شیخ مقتول اور بایزید بسطامی جیسے مشاہیر صوفیہ وجودیہ سے بلا تکلف استفادہ کرنے لگے۔

ان حقائق و شواہد سے اس امر کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ اقبال کے فکر و نظر کا آغاز بھی وحدت الوجود اور سریان سے ہوا تھا اور انجام بھی وحدت الوجود اور سریان ہی پر ہوا۔" (ص ۱۱۰، ۱۱۱ کتاب مذکور)

خلاصۂ کلام اینکہ

اقبال نے ۱۸۹۸ء سے ۱۴-۱۹۱۳ء تک وحدت الوجود کی تعلیم دی، ۱۹۱۳ء سے ۱۹۱۷ء تک انہوں نے اس عقیدے سے اختلاف کیا، ۱۹۱۸ء سے ۱۹۳۸ء تک انہوں نے پھر اس عقیدے کی تعلیم دی۔ ذیل میں ان کی تصانیف سے شواہد پیش کرتا ہوں۔

۱۔ رموز بیخودی (۱۸-۱۹۱۷ء) میں لکھتے ہیں:

بر سرِ ایں باطلِ حق پیرہن تیغ لا موجودَ الّا ہو بزن!

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

۲ــــ پیام مشرق ۱۹۲۳ء میں لکھتے ہیں،

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی — کہ او پیداست تو زیرِ نقابی
تلاش اُو کنی، جُز خود نہ بینی — تلاشِ خود کنی جُز او نیابی

اس رباعی میں اقبال نے وحدت الوجود کی تعلیم اس شدّومد سے دی ہے کہ وحدت الوجود کا بڑے سے بڑا مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہے کہ اس رباعی میں اقبال نے بلاشک وشبہ وحدت الوجود کی تعلیم دی ہے۔ چنانچہ جب میں نے ڈاکٹر عبدالوہاب عزام مرحوم، سابق سفیر مصر سے ۱۹۵۲ء میں یہ دریافت کیا کہ آپ نے پیام مشرق کے عربی ترجمے میں اقبال کی اس اہم رباعی (مذکورہ بالا) کا عربی ترجمہ کیوں نہیں کیا؟ تو انہوں نے صاف لفظوں میں یہ جواب دیا کہ "میں وحدت الوجود کا مخالف ہوں۔ اقبال نے اس رباعی میں وحدت الوجود کی تعلیم دی ہے اس لیے میں نے عمداً اس کا ترجمہ نہیں کیا"۔ میرا جی تو چاہتا تھا کہ میں اُن سے کہوں کہ "مگر یہ بات ایک مترجم کے شایانِ شان تو نہیں کہ وہ اس بات کو حذف کر دے جو اس کے ذاتی عقیدے کے خلاف ہو، یہ تو ایک قسم کی بد دیانتی ہے" مگر میں مصلحتاً خاموش ہو گیا۔

۳ــــ زبور عجم (مطبوعہ ۱۹۲۷ء) میں لکھتے ہیں:

بضمیرت آرمیدم تو بجوششِ خود نمائی — بکنارہ بر فگندی دُرِ آبدارِ خود را
مہ و انجم از تو دارد گلہ ہا شنیدہ باشی — کہ بخاک تیرہ ما زدہ شرارِ خود را
نہ مارا در فراقِ اُو عیارے — نہ او را بے وصالِ ما قرارے
نہ اُو بے ما نہ ما بے اُو چہ حال ست — فراقِ ما فراق اندر وصال ست

ز من رامی شناسم من نہ اُو را
ولے دانم کہ من اندر بر او ست

۴ــــ جاوید نامہ میں وحدت الوجود کی تعلیم بایں الفاظ دی ہے۔

عبدہٗ از فہمِ تو بالاتر ست — زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر ست

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

عبدہ صورت گرِ تقدیر ہا — اندرو ویرانہ ہا تعمیر ہا

لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ — فاش تر خواہی؟ بگو ہو عبدہٗ

۵۔۔۔۔ بالِ جبریل میں اسی حقیقت کو یوں واضح کیا ہے:

یہ ہے خلاصۂ علم قلندری کہ حیات — خدنگِ جستہ ہے لیکن کماں سے دور نہیں

وہی اصلِ مکان و لامکاں ہے! — مکاں کیا شے ہے؟ اندازِ بیاں ہے

خضر کیونکر بتائے، کیا بتائے؟ — اگر ماہی کہے، دریا کہاں ہے

۶۔۔۔۔ "مسافر" میں اس نقش کو یوں ہویدا کیا ہے:

از ضمیرِ کائنات آگاہ اُوست — تیغِ لا موجود الا اللہ اُوست

۷۔۔۔۔ ضربِ کلیم میں اس راز کو بایں طور فاش کیا ہے:

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری — نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الٰہ الا اللہ

۸۔۔۔۔ ارمغانِ حجاز میں وحدت الوجود پر کئی رباعیاں ہیں، میں صرف ایک رباعی درج کرتا ہوں:

تو اے ناداں دلِ آگاہ دریاب — بخود مثلِ نیاگاں راہ دریاب

چساں مومن کند پوشیدہ را فاش — ز لا موجود الا اللہ دریاب

بیا بر خویش پیچیدن بیاموز
زناخن سینہ کاویدن بیاموز

اگر خواہی خدارا فاش بینی — خودی را فاش تر دیدن بیاموز

اگر زیری زخود گیری زبر شو — خدا خواہی؟ بخود نزدیک تر شو

پیامِ مشرق سے لے کر جو ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی، ارمغانِ حجاز تک جو ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی، اقبال نے اپنی تمام تصانیف میں مسلسل وحدت الوجود کی تعلیم دی ہے۔ میں نے بخوفِ طوالت صرف چند اشعار پیش کیے ہیں، طالبانِ حق بطورِ خود اقبال کا از اوّل تا آخر مطالعہ کرلیں، حقیقت واضح ہو جائے گی، یعنی وہ مجھ سے متفق ہو جائیں گے۔

© rasailojaraid

مجھے افسوس ہے کہ میں نے اُن کی زندگی میں اُن سے نہیں پوچھا کہ جناب! آپ نے چند سال کے لیے شیخِ اکبرؒ سے اختلاف کیوں کیا تھا؟ بہرحال یہ دونوں باتیں مُسلّم اور مبرہن ہیں کہ:

۱۔ انہوں نے چند سال تک ۱۴-۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۷ء عقیدۂ وحدت الوجود سے اختلاف کیا اور ۱۹۱۸ء سے تادمِ وفات دوبارہ اس کی تعلیم دی۔ اب رہی یہ بحث کہ قرآن حکیم اس عقیدے کا حامی یا مؤید ہے یا نہیں، تو اسے ہم کسی دوسری مجلس کے لیے اٹھا رکھتے ہیں : یار زندہ صحبت باقی"

آخر میں ایک اور صرف ایک اقتباس اُن کے خطباتِ مدراس سے پیش کیے دیتا ہوں تاکہ کسی کے دل میں یہ کھٹک باقی نہ رہے کہ اقبال نے اس مہتم بالشان مسئلے پر اپنی مایۂ ناز متکلمانہ تصنیف میں کس خیال کا اظہار کیا ہے۔ واضح ہو کہ اس کتاب میں بھی انہوں نے وحدت الوجود ہی کی تعلیم دی تھی۔ یہ خطبات انہوں نے ۱۹۲۹ء میں سپردِ قلم کئے تھے Reconstruction مطبوعہ اکسفورڈ کے صفحہ ۶۸ پر لکھتے ہیں: ترجمہ از انگریزی

"یعنی یہ کائنات سالماتِ مادّی کی غیر شعوری اور غیر اختیاری حرکت سے لے کر فکرِ انسانی کی بااختیار حرکت تک (یعنی یہ کائنات بحیثیتِ مجموعی) انائے کبیر یعنی حق تعالیٰ کی ذات کا ظہورِ خارجی ہے، یا عرفِ عام میں اس کی ذات کی تجلی یا اظہار ہے۔"

میری رائے میں یہ اعتراف فیصلہ کن اور قطعی الدلالۃ ہے جس کے بعد مزید کسی ثبوت کی حاجت نہیں رہتی۔

فارسی اشعار کا ترجمہ

(۱) سچ اور یقین کے سوا کوئی اور شے مقامِ شوق نہیں۔ اور روح الامین (جبرئیل) کی صحبت و معیت کے بغیر (یعنی وحیِ الٰہی کے بغیر) کبھی یقین حاصل نہیں ہو گا۔

(۲) اگر تجھے سچ اور یقین سے کچھ بھی حصہ ملا ہے تو بلا جھجک قدم آگے بڑھا۔ کوئی شخص (تیرے لئے) گھات میں نہیں ہے۔ (یعنی خطرات کی پروا نہ کر!)

(۳) تو رسوا اور بے عزت ہوا قرآن سے دوری (اور اسے ترک کرنے) سے، مگر اس کا

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

الزام تو زمانے کی گردش پر ڈالنے لگ گیا۔

(۴) محبت جب بھرپور ہوتی ہے تو رقابت درمیان سے اٹھ جاتی ہے (اس کی ضرورت نہیں رہتی۔)

(۵) پہلے حق کی چھاپ اپنی جان (ذات) میں ڈالنا ہو گی' پھر اس کے بعد اسے دنیا بھر میں ڈالنا (پھیلانا) ہو گا۔

(۶) جب حق کی چھاپ دنیا بھر میں عام ہو جائے گی تو حق کا دیدار (رونمائی) بھی دیدار عام (یعنی سب کے سامنے جلوہ افروز) ہو جائے گا۔

(۷) قرآن میں ابھی کئی سو جہاں باقی و موجود ہیں۔ تو اس کی آیات میں سے کسی ایک سے اپنے باطن کو منور کر لے!

(۸) عبدہ (اس کا بندہ) ہی تو کائنات کے حقائق کی کیفیت ہے۔ اور وہی (عبدہ) تو کائنات کا اندرونی بھید ہے۔

(۹) کوئی شخص "عبدہ" کے راز سے واقف نہیں۔ عبدہ (اس کا بندہ) الا اللہ (اللہ کے سوا . . . .) کا بھید ہی تو ہے۔

(۱۰) "لا الٰہ" تلوار ہے اور اس کی کاٹ "عبدہ" ہے۔ اس سے بھی واضح تر بات چاہتے ہو تو کہو "وہی تو عبدہ (اس کا بندہ) ہے"۔

(۱۱) محض ان دو شعروں سے تو بات نہیں بنے گی (مطلب حاصل نہ ہو گا) جب تک "مَا رَمَيْتَ" کے مقام سے نہیں دیکھو گے۔ (اشارہ سورۃ الانفال کی آیت ۱۷ کی طرف ہے: "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى")

(۱۲) پرانی شراب صراحی سے (نکال کر) نئے جام میں ڈال۔ اپنے فروغ (عروج و کمال) کو محلات سے لے کر گلی کوچے تک میں پھیلا دے۔

(۱۳) اگر منصور حلاج کی شاخ سے پھل چاہتے ہو (وہی رتبہ چاہتے ہو) تو دل میں "لَا غَالِبَ اِلَّا اللّٰهُ" (اللہ کے سوا کوئی غالب نہیں) اتار دو! (اسے دل نشین اور

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

ذہن نشین کرلو!)

(۱۴) اس بظاہر حقیقت کالباس پہنے ہوئے جھوٹ (حق کا بہروپ لئے ہوئے باطل) کے سر پر "لا موجود الا اللہ" (اللہ کے سوا کسی شے کا حقیقی وجود ہی نہیں) کی تلوار کا وار کر! (اور اسے فنا کے گھاٹ اتار دے!)

(۱۵) تو کس کو ڈھونڈتا ہے اور تو کیوں پیچ و تاب میں بے قرار ہے' کیونکہ وہ تو ظاہر (موجود) ہے اور تو خود نقاب میں چھپا ہوا ہے۔

(۱۶) تو اگر اسے تلاش کرے گا تو اپنے آپ ہی کو دیکھ پائے گا اور اپنے آپ کو ڈھونڈے گا تو اس کے سوا (کسی اور کو) نہ پائے گا۔

(۱۷) میں تو تیرے ضمیر (کی گہرائیوں) میں آرام کر رہا تھا' مگر تو نے اپنی (قدرت یا ذات) کی کمال (تلوار) کے کٹے اپنے ہی چمکدار موتی کو (بے نقاب کر کے) کنارے پر پھینک دیا (ظاہر کر دیا)۔

(۱۸) تو نے سنا ہی ہو گا کہ چاند اور ستاروں کو تجھ سے یہ شکایت ہے کہ تو نے ہماری تاریک مٹی میں اپنی چنگاری ڈال دی ہے۔

(۱۹) نہ ہمارے پاس اس کی جدائی (کی شدت کو جانچنے۔ ناپنے) کا کوئی پیمانہ ہے اور نہ ہی اس کو ہمارے ملاپ کے بغیر کچھ بھی آرام ہے۔

(۲۰) کیا عجیب حالت ہے کہ نہ وہ ہمارے بغیر ہے' نہ ہم اس کے بغیر ہیں۔ ہماری جدائی تو ملاپ کے اندر (ہوتے ہوئے) جدائی ہے۔

(۲۱) میں نہ اپنے آپ کو پہچانتا ہوں نہ اس کو' لیکن یہ جانتا ہوں کہ میری ذات اس کے اندر ہی کہیں موجود ہے۔

(۲۲) عبدہ (اس کا بندہ) تیری سمجھ سے بالاتر ہے' کیونکہ وہ آدم (بشر) بھی ہے اور درحقیقت جوہر (مرکزی حقیقت) بھی وہی ہے۔

(۲۳) عبدہ ہماری تقدیر کی صورت بنانے والا ہے۔ اس کے اندر تو بے شمار ویرانے بھی

© rasailojaraid.

ہیں اور بے شمار صورتیں تعمیر اور آبادی کی بھی ہیں۔

(۲۴) وہ (عبدہ) کائنات کے ضمیر (اندر) سے باخبر ہے۔ وہ تو "لاموجود الا اللہ" (اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں) کی تلوار ہے۔

(۲۵) اے نادان، تو آگاہ (دانا اور واقف) دل کو پالے اور اپنے بزرگوں کی مانند اپنی طرف راہ ڈھونڈ لے۔

(۲۶) مومن پوشیدہ حقائق کو کس طرح فاش کرتا ہے، اس بات کو "اللہ کے سوا کوئی موجود ہی نہیں" (کے نکتہ) میں پالے!

(۲۷) آؤ، اپنے آپ پر لپٹنا سیکھو! اپنے ناخن سے خود اپنا سینہ کھرچنا سیکھو!

(۲۸) اگر تو چاہتا ہے کہ خدا کو علانیہ دیکھے تو پہلے اپنی خودی (ذات) کو زیادہ کھل کر دیکھنا سیکھ!

(۲۹) اگر تو زیر (مغلوب) ہے تو اپنے آپ کو سنبھالنے سے زبر (بالاتر) ہو جا! خدا کو (نزدیک) چاہتے ہو تو اپنے آپ سے قریب تر ہو جاؤ!

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک اہم خطاب
قربِ الٰہی کے دو مراتب
کتاب و سنّت کی روشنی میں

کتابی صورت میں دستیاب ہے
سفید کاغذ، عمدہ کتابت وطباعت، صفحات ۹۶، ہدیہ -/۱۰ روپے
شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com